ابوالحسن علی ندوی بحیثیت مصلح و داعی اسلام

☆ پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر

اسلام اپنے معاصر مذاہب باطلہ میں ایک اہم اور منفرد خصوصیت کا حامل ہے جسے تبلیغ یا دعوت دینا کہا جاتا ہے۔ تبلیغ اسلام کا بنیادی فریضہ ہے۔ نبی تبلیغ دین کے لیے مامور کیے گئے ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے:'' یاایھا الرسول بَلِّغْ مَاأُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ (اے پیغمبر جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے وہ لوگوں تک پہنچا دو) (۱)۔ دعوت الی اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے، چنانچہ آپ کو حکم الٰہی ہوا:

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْ اَدْعُوْا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ (اے نبیؐ فرما دیجئے میرا راستہ تو یہ ہے کہ میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں میں خود بھی پوری روشنی میں اپنا راستہ دیکھ رہا ہوں اور میری اتباع کرنے والا بھی) (۲)۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ امت کے لیے بہترین نمونہ ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (۳) (یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے)

دعوت و تبلیغ کے میدان میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہی نمونہ ہے۔ جب ہم آپؐ کی حیاتِ مبارکہ کا مطالعہ دعوت و تبلیغ کے پہلو سے کرتے ہیں تو آپ کی مساعی جمیلہ درج ذیل خصائص سے عبارت نظر آتی ہے:

۱۔ دعوت بالحکمۃ

۲۔ قول بلیغ

۳۔ رقت و نرمی گفتار و انداز

☆ ڈائریکٹر سیرت چیئر اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

۴۔غور وفکر اور عقل وشعور کی دعوت

۵۔عزم واستقلال

۶۔قول وعمل میں یکسانیت

اسلام میں دعوت وتبلیغ کا فریضہ:

یہ فریضہ صرف آپؐ کے لیے ہی مختص نہیں کیا گیا، بلکہ اُسے عام فرمایا ہے۔ جملہ اہلِ اسلام دعوت وتبلیغ اسلام کے مکلّف ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے: **وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ اُمَّةٌ يَدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ** (اور تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے) (۴)۔ مزید ارشاد فرمایا: **اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ** (تم اپنے رب کے راستے کی طرف بلاؤ۔) (۵)۔

دعوت وتبلیغ کے فریضہ کی اہمیت قرآن مجید میں ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے: **وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ** (اور ان میں ہم نے پیشوا بنائے تھے جو ہمارے حکم سے ہدایت کیا کرتے تھے، جب وہ صبر کرتے تھے اور ہماری آیات پر یقین رکھتے تھے) (۶)۔

قرآن مجید میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو ہی زندگی سے تعبیر فرمایا: **يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ** (اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کی پکار کا جواب دو جب وہ تمہیں پکارتا ہے، تاکہ وہ تم کو روحانی موت کی حالت سے نکال کر زندہ کردے) (۷)۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت دین کا فریضہ کما حقہ سرانجام دیا اور آپ نے خطبہ حجۃ الوداع ۱۰ ہجری کے مجمع عام میں پوچھا: **انتم تسئلون عنی فما انتم قائلون؟** (تم سے اللہ کے ہاں میرے متعلق پوچھا جائے گا تم کیا جواب دو گے؟) (۸)۔

صحابہ کرامؓ نے بیک زبان عرض کیا کہ ہم یہ کہیں گے کہ آپ نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا اور اپنا فرض ادا کر دیا۔ آپؐ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور تین بار فرمایا: **اللّٰھم اشھد** (اے اللہ گواہ رہنا) (۹)۔

مذکورہ آیات مبارکہ اور احادیث مطہرہ سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ تبلیغ دین اور دعوت الی

اللہ ہر کلمہ گو کا فریضہ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام ان کے تلامذہ اور آئمہ اسلام نے بالخصوص تبلیغ اسلام کا فریضہ کمال جانفشانی سے ادا کیا، بلکہ عام مسلمان بھی حسبِ توفیق اس فرض کو ادا کرنے کی سعی کرتے رہے۔ حالانکہ علماء اسلام کا مؤقف یہ ہے کہ تبلیغ اسلام فرضِ کفایہ ہے۔ تبلیغ سے کتنے ہی لوگوں کی زندگیاں تبدیل ہوئیں۔ ان مبلغین اسلام میں بہت سے لوگ معروف ہوے۔ موجودہ دور میں بھی دعوت الی اللہ کا فریضہ حکومتی سرپرستی، دینی انجمنوں، مدارس اور انفرادی سطح پر ادا ہو رہا ہے۔ ہم اپنے اس مقالے میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی داعیانہ کوششوں کا احاطہ کریں گے۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی بن عبدالحیؒ المعروف علی میاں عالم اسلام کے نامور ادیب، مبلغ اور داعی ہیں۔ آپ اپنے عہد کے مفکر اسلام بھی ہیں۔ مولانا کا نسب حضرت علیؓ بن ابی طالب سے ملتا ہے (۱۰)۔ مولانا ۶ محرم ۱۳۳۳ھ/۱۹۱۴ء کو صوابہ اتر پردیش کے ضلع رائے بریلی کے ایک گاؤں تکیہ کلاں میں پیدا ہوئے (۱۱)۔

مولانا سید ابوالحسن ندوی جس گھرانے کے چشم و چراغ ہیں وہ صدیوں سے اب تک غیر منقطع طور پر مذہب و اخلاق، رشد وہدایت، تصنیف وتالیف اور زبان وادب کا گہوارہ رہا ہے (۱۲)۔ مولانا نے اپنے خاندانی شعار کی بنا پر اپنے وقت کے نابعہ روزگار علماء کے حضور زانوئے تلمذ تہ کیا۔ آپ نے اپنی ساری متاعِ حیات تبلیغ اسلام اور دعوتِ دین کی راہ میں وقف کر دی۔ آپ کے کارِحیات اس امر کی شہادت دیتے ہیں کہ آپ صحیح معنوں میں دینِ اسلام کے داعی تھے۔ آپ کی تصانیف، درس وتدریس، سفر وحضر سب کا ایک ہی مشن تھا کہ اسلام کی دعوت کو عام کیا جائے۔ قدیم وجدید دور میں مولانا کے داعیانہ کردار میں درج ذیل خصوصیات پائی جاتی ہیں:

۱۔ علم

۲۔ تحمل وبردباری

۳۔ عمل

۴۔ خلوص

۵۔ ایثار وقربانی

۶۔جدید معاشرتی مسائل کا ادراک وتدارک

۷۔وعظ ونصیحت

۸۔تصنیف وتالیف

۹۔جہاد فی سبیل اللہ کا احیاء

۱۰۔کورانہ تقلید سے بیزاری

۱۱۔سامعین کی ذہنی استعداد کے مطابق گفتگو۔

۱۲۔جدید علمی رجحانات کا ادراک

۱۳۔تعلیم وتربیت

۱۴۔دعوتی سفر

۱۵۔مغربی نظامِ تعلیم کا نفاذ

۱۶۔مغربی تہذیب پر تنقید

۱۷۔وسیع مطالعہ

۱۸۔معاصرادیان میں وسعت نظری۔

۱۹۔بصیرت

۲۰۔ردبدعات

۱۔علم

علم ہی وہ بنیادی خصوصیت ہے جس کی بنا پر انسان مسجود ملائک بنا۔ انبیائے کرام اپنے اپنے دور کے داعی اعظم ہوتے ہیں اور وہ علم میں سب سے بڑھ کر ہوتے ہیں۔ مولانا علی میاں نے علم تفسیر مولانا احمد علی لاہوری سے حاصل کیا (۱۳)۔ علم حدیث میں ان کے شیخ مولانا حسین احمد مدنی ہیں (۱۴)، ان کے علاوہ موصوف نے حیدر حسن خاں ٹونکی سے بھی صحیحین، سنن ابی داؤد اور سنن ترمذی سبقاً سبقاً پڑھیں۔ علاوہ ازیں انہیں سے بیضاوی شریف اور علم المنطق کے اسباق بھی لیے (۱۵)۔

عربی ادب کی تعلیم آپ نے جامعہ لکھنؤ سے حاصل کی (۱۶)۔ موصوف کی عمرِ مبارک

صرف بیس سال ہی تھی کہ آپ ندوۃ العلماء میں استاذ مقرر ہوئے (۱۷)، گویا آپ نے تعلیم حاصل کرکے پھر تدریس کا ذمہ اٹھایا۔ مذکورہ بالا حقائق سے مترشح ہوتا ہے کہ موصوف نے اسلام کی تعلیم بڑے بڑے اہلِ علماء سے حاصل کی تھی۔ اس تعلیم ہی کا ثمر ہے کہ آپ نے ساری حیات مستعار کو دینِ اسلام کی تبلیغ کے لیے وقت کردیا۔

۲۔ تحمل بردباری

تحمل و بردباری ایک عالم اورداعی الی اللہ کے لیے بڑی اہم چیز ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام میں تحمل و بردباری بہ نسبت خضر علیہ السلام کے کم تھی۔ قرآن نے اس واقعہ کو اس لیے نقل کیا ہے تاکہ داعی الی اللہ اس واقعے کی روشنی میں تحمل و بردباری سے آراستہ ہوں۔ جب ہم موصوف کے حالات کا مطالعہ کرتے ہیں تو موجودہ داعیان کی نسبت آپ میں یہ وصف بہت گہرا ہے۔ مولانا کا جملہ تصنیفی سرمایہ اس بات کا شاہد ہے کہ مولانا کے مزاج میں تحمل و بردباری کا عنصر سب سے نمایاں تھا۔

۳۔ عمل

اسلام ایک دین ہے، یہ اپنے ماننے والوں کی تعلیم و تربیت کا بھرپور اہتمام کرتا ہے۔ قرآن مجید میں ایمان وعملِ صالح ہردو کو یکجا بیان کیا گیا ہے۔ ایمان کے بغیر عمل بیکار اور عمل کے بغیر ایمان بے فائدہ ہے۔ داعی الی اللہ کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ باعمل ہو۔ ہم عملِ صالح کے میدان میں انہیں یگانہ روزگار پاتے ہیں ان کی جملہ تصانیف کا ایک ایک حرف قاری پہ اثر انداز ہوتا ہے۔ یہ ان کے عالمِ باعمل ہونے کی مثال ہے:

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

۴۔ خلوص

داعی الی الحق کی ایک اہم خوبی خلوص ہوتی ہے۔ داعی کا خلوص ہی اس کی تحریک سے جھلکتا ہے۔ تاریخ اسلام ایسے پُر خلوص داعیان سے پُر ہے۔ موصوف نے تاریخ دعوت وعزیمت مرتب

کر کے اپنے کردار سے یہ ثابت کیا کہ وہ اسلام کے ایسے ہی داعی ہیں جن کے سامنے مال و دولت یا شہرت کا حصول نہیں، بلکہ وہ اہل اسلام کو اُن کا ماضی یاد دلا کر اُن کا مستقبل سنوارنے کی فکر کر رہے ہیں۔ یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ اسلام کا ظہور عرب میں ہوا۔ بے آب وگیاہ صحرا ہی اسلام کا اولین مسکن ہے۔ عرب بادیہ نشین اس کے اولین حامل ہیں۔ ممدوح نے انہی کی زبان کو ذریعہ ابلاغ بنا کر انہیں یہ بھولا ہوا سبق یاد دلایا کہ اسلام کی دولت کے تم ہی وارث اور امین ہو۔ اسلام کے حامل ہونے کی بنا پر دنیا کی سیادت کے تم ہی حقدار ہو۔ اپنی کتاب نقوشِ اقبال کے ٹائٹل پہ لکھا شعر بھی ممدوح کے خلوص کا آئینہ دار ہے۔

نقش ہیں سب ناتمام خونِ جگر کے بغیر
نغمہ ہے سودائے خام خونِ جگر کے بغیر

۵۔ ایثار و قربانی

داعی الی اللہ کا کردار یگانہ ہوتا ہے۔ اس کے دل میں ملی درد بدرجہ اتم موجود ہوتا ہے۔ ملت کا غم اس کا غم ہوتا ہے۔ ملت کا ہر زخم اس کا زخم ہوتا ہے۔ مولانا کے دل میں ہمدردی، ایثار اور قربانی کا جذبہ کس قدر موجود تھا۔ ذیل کا واقعہ اسے سمجھنے کے لیے کافی ہے۔ مولانا کو اُن کی اعلیٰ خدمات کے نتیجے میں ۱۹۸۰ء میں حکومت سعودی عرب نے ''فیصل ایوارڈ'' کے لیے نامزد کیا۔ موصوف نے ایوارڈ کی رقم سماجی کاموں میں اس ترتیب سے خرچ کی:

مولوی فضل ربی کے خط کے جواب میں لکھتے ہیں کہ ایوارڈ کی پوری رقم حسبِ تفصیل ویں تقسیم کر دی گئی تھی:

۱۔ نصف رقم افغانستان کے پناہ گزینوں کے لیے۔

۲۔ ایک ربع مشروع تحفیظ القرآن کے لیے (جس کے بانی پاکستان حاجی یوسف سیٹھی صاحب تھے اور اب شیخ صالح القزاز اس کے صدر ہیں)۔

۳۔ ایک ربع مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ کے لیے (جس کے بانی حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی صاحب اظہار الحق تھے)......(۱۸)

٦۔ جدید معاشرتی مسائل کا ادراک اور اُن کا تدارک

داعی الی الحق معاشرتی امراض کا بہترین نباض ہوتا ہے۔ معاشرتی اقدار افراد کے کردار واخلاق کی آئینہ دار ہوتی ہیں۔ عمارت اُس وقت زمین بوس ہوتی ہے جب اُس کو دیمک چاٹ جاتی ہے۔ معاشرتی اقدار افراد اس وقت زمین بوس ہوتی ہیں جب وہاں اختلاط مرد وزن بڑھتا ہے۔ عورتوں میں بے پردگی عام ہوتی ہے تو تہذیبیں زوال پذیر ہوجاتی ہیں۔ مولانا اس ضمن میں رقمطراز ہیں: میں نے قوموں اور تہذیب وتمدن کی تاریخ ...... (خاص طور سے قوموں اور تہذیبوں کے ارتقاء اور انحطاط کی تاریخ) کا مطالعہ بڑی توجہ اور انہماک سے کیا ہے اور میں اس نتیجے پہ پہنچا ہوں کہ قوموں اور ملتوں کے زوال، اُن کی تباہی و بربادی اور انتہائی ترقی یافتہ اور مسحور کن تمدنوں اور تہذیبوں کے زوال اور فنا کا سب سے اہم اور بنیادی سبب یہ ہے۔ اُن کے عائلی نظام کا انتشار۔ گھریلو زندگی میں اعتدال وتوازن کا فقدان۔ مرد وزن کے ارتباطِ باہمی میں فساد واختلال، گھریلو زندگی سے بے توجہی اور اُس کی ذمہ داریوں سے فرار (۱۹)۔

آج امتِ مسلمہ جن پریشان کن حالات سے دوچار ہے۔ غیرت وحمیت سے عاری ہے۔ عظمتِ رفتہ کے نقوش سے خالی ہے۔ اس کا مستقبل مخدوش ہے۔ عزت وآبرو اور ملی شان کا دور دور تک اس کا کوئی نشان نہیں۔ مولانا کے نزدیک اس مرض کی ایک وجہ عورتوں کا اپنے میدان کار سے تجاوز ہے اور اس کا علاج یہ ہے کہ عورت کو شمع محفل بنانے کی بجائے چراغ خانہ بنا دیا جائے تو ملت پھر سے اپنے منصب پہ فائز ہوسکتی ہے۔ علامہ اقبال نے بے پردگی کے عواقب و انجام کو یوں نظم فرمایا:

ایک زندہ حقیقت میرے سینے میں ہے مستور
کیا سمجھے گا وہ جس کی رگوں میں ہے لہو سرد
نے پردہ نہ تعلیم، نئی ہو کہ پرانی
نسوانیت زن کا نگہبان ہے فقط مرد
جس قوم نے اس زندہ حقیقت کو نہ پایا
اُس قوم کا خورشید بہت جلد ہوا زرد

علامہ اقبال اور مولانا ندوی دونوں کے افکار سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ملتِ اسلامیہ کی زبوں حالی کے اسباب میں ایک سبب عورت کا اپنی حدود سے تجاوز ہے۔

۷۔ وعظ و نصیحت

اسلام اپنے پیروکاروں سے ایک مطالبہ یہ بھی کرتا ہے کہ وہ معاشرے میں فساد اور بگاڑ کا قلع قمع کریں۔ ازروئے قرآن نبی علیہ السلام کا فرض منصبی تھا کہ وہ اُمت کو بُرے کاموں کے انجام سے ڈرائیں۔ یٰاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ، قُمْ فَاَنْذِرْ (۱۲) (اے چادر اوڑھنے والے، کھڑے ہو جاؤ اور ڈراؤ)۔ اسی طرح امت پر بھی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فرض عائد کیا۔

تامرون بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ (۲۲) (تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو)۔ داعیانِ اسلام اس آیت کی تعمیل اور آپ کی پیروی میں اس فریضہ کو بھی ادا کرتے رہے۔ مولانا صاحب نے بھی یہ فریضہ سرانجام دیا۔ بلکہ آپ نے امراء و اعیان سلطنت کی موجودگی میں کلمہ حق بلند کیا۔

موصوف نے جون ۱۹۷۳ء میں افغانستان کا سفر کیا۔ اس سفر میں آپ نے کابل کے سب سے بڑے تعلیمی ادارے میں خطاب فرمایا۔ فرماتے ہیں ''میری تقریر خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کے کارناموں، ان کی غیرت ایمانی، مرتدین اور منحرفین سے دین کی حفاظت وحمایت اور اُن کے یادگار مقولہ'' اینقص الدین و اناحی '' (دین میں ترمیم و تنسیخ ہو اور میں زندہ ہو کر دیکھتا رہوں) کی تشریح و تفصیل اور اپنے اپنے ممالک اور علاقے میں علماء کی ذمہ داریوں کے متعلق تھی۔ اس سلسلے میں نے حضرت مجدد الف ثانی کے کارنامے کو جو ہندوستان کو اسلامی حصار میں رکھنے کے لیے انجام دیا گیا تفصیل سے بیان کیا (۲۳)۔

درج بالا اقتباس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ موصوف وعظ و نصیحت اور امراء و علماء کی اصلاح احوال کے لیے ہر دم کوشاں رہتے تھے۔ جب بھی کوئی موقع ملا، آپ نے اپنا فرض منصبی داعی ادا کیا اور کسی بھی مصلحت کو درخوار اعتناء نہ سمجھا۔